ZAUQ-E-TAHQEEQ
www.Zauq-e-Tahqeeq.com
editor@zauq-e-tahqeeq.com
ISSN PRINT: 2789-8776
ISSN ONLINE:2789-8784
Volume.7,Issue No.2 (2025)
(April to June)

پاکستانی اُردو نظم میں مسئلہ فلسطین: شاعرانہ بیان اور فکری جہات

The Palestinian Issue in Pakistani Urdu Poems: Poetic Expression and Intellectual Dimensions

ڈاکٹر رابعہ سرفراز
چیئرپرسن، شعبہ اُردو، گورنمنٹ کالج یونیورسٹی، فیصل آباد

Dr. Rabia Sarfraz
Chairperson, Department of Urdu, Government College University, Faisalabad

Abstract:
Pakistani poets have long engaged with the Palestinian cause through Urdu poems, weaving themes of resistance, solidarity, and empathy into their verses. This abstract explores how Pakistani Urdu poets have framed the Palestinian struggle, analyzing the artistic, ideological, and emotional dimensions of their work. Their poetry transcends mere political commentary, emerging as a tapestry of religious unity, anti-colonial defiance, and a universal outcry against oppression. By integrating Palestine into their narratives, these poets reflect a deep-seated Islamic solidarity while also resonating with global discourses on human rights and justice. Stylistically, poets employ metaphors of martyrdom, displacement, and resilience, drawing parallels between Palestinian suffering and broader histories of colonial subjugation. Symbols like the olive tree and the bulldozer recur as motifs of endurance and identity. Intellectually, their work critiques geopolitical hypocrisy, Western imperialism, and the silence of international institutions. Thematically, the poetry oscillates between lamentation and hope, mourning Palestinian losses while celebrating their unyielding spirit. Human empathy remains central, with poets positioning Palestine as a moral litmus test for humanity. Notably, this poetic engagement also serves as a vehicle for political awakening within Pakistan. By framing Palestine as a symbol of collective Muslim and Third World struggles, poets galvanize local consciousness against systemic injustice.

Keywords: Palestinian, solidarity, political commentary, Stylistically, metaphors of martyrdom, displacement, Western imperialism, collective Muslim

اُردو شاعری نے ہمیشہ سے سماجی، سیاسی اور انسانی مسائل کو اپنے اشعار میں سمویا ہے۔ پاکستانی شاعروں نے بھی عالمی سطح پر ہونے والے مظالم، خاص طور پر فلسطین کے مسئلے کو اپنی نظموں کا حصہ بنایا ہے۔ یہ موضوع نہ صرف مذہبی یکجہتی کی عکاسی کرتا ہے بلکہ استعماری قوتوں کے خلاف مزاحمت اور مظلوم قوموں کے ساتھ اظہارِ ہمدردی کا بھی پیکر ہے۔ فلسطین کی زمین پر صدیوں سے جاری ظلم و استبداد، بے گھری اور قربانیوں کے واقعات نے پاکستانی شاعروں کو گہرے طور پر متاثر کیا ہے۔ اس مقالے کا مقصد یہ جاننا ہے کہ پاکستانی اردو شاعروں نے اپنی نظموں میں فلسطین کے مسئلے کو کس طرح پیش کیا، ان کے فنی اور فکری زاویے کیا ہیں، اور ان کی شاعری میں اس مسئلے کی عکاسی کس حد تک انسانی ہمدردی، سیاسی بیداری اور اسلامی یکجہتی کے عناصر کو سمیٹتی ہے۔

اقبال کی شاعری صرف ذاتی جذبات کی ترجمانی نہیں بلکہ مشرق کے سیاسی، تہذیبی اور دینی بحرانوں کا شعری بیانیہ ہے۔ فلسطین کا مسئلہ، جو بیسویں صدی کے اوائل میں برطانوی استعمار اور صیہونی تحریک کے زیرِ اثر اُبھرا، اقبال کی فکر کا اہم حصہ بنا۔ "ضربِ کلیم" میں شامل نظم "شام و فلسطین" اور * "فلسطینی عرب سے" میں اقبال نے نہ صرف فلسطین کے جغرافیائی و روحانی تقدس کو اجاگر کیا بلکہ عالمِ اسلام کی بے حسی اور استعماری مکاری پر بھی گہرا طنز کیا۔ یہ مضمون ان نظموں کے حوالے سے اقبال کے بیانیے، فلسطینی مسلمانوں کے لیے ان کی فکر مندی، اور موجودہ تناظر میں ان خیالات کی معنویت کو تحقیقی انداز میں پیش کرتا ہے۔

اقبال نے ۱۹۳۰ کی دہائی تک دیکھا کہ برطانوی پالیسیاں اور صیہونی لابیاں فلسطینی عربوں کی زمینیں ہتھیا رہی ہیں۔ انہی خطروں کے پیشِ نظر اقبال نے اپنی نظموں میں مسلمانوں کو جہادِ آزادی کی ترغیب دی۔ اقبال فلسطین کو "ارضِ مقدس" قرار دیتے ہیں جہاں انبیاء کی روحانی میراث موجود ہے۔ وہ شام اور فلسطین کو ایک دینی وحدت کے طور پر پیش کرتے ہیں:

شام ہے خونِ ناحق سے ترا لالہ زار
فلسطین میں تیرے کوہ و بیاباں ہیں اسیر (۱)

یہاں "خونِ ناحق" سے مراد صیہونی تشدد اور استعمار کی لوٹ مار ہے۔ اقبال فلسطینیوں کو "اسیر" بتا کر عالمِ اسلام کی بے عملی پر طنز کرتے ہیں۔ اس نظم میں اقبال فلسطینی عربوں کو بیدار ہونے کی دعوت دیتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ آزادی صرف تلوار سے ملتی ہے، دعاؤں سے نہیں:

حریت کی تلوار میں ہے بجلی کی سی لہر
یہ سنہری موقع ہے مگر ہوشیار رہو (۲)

"سنہری موقع" سے مراد وہ تاریخی لمحہ ہے جب فلسطینی اپنی زمینوں کی حفاظت کر سکتے تھے، مگر اقبال کو خدشہ ہے کہ مسلمان اپنی عسکری اور اخلاقی طاقت کھو چکے ہیں۔ اقبال کے نزدیک فلسطین محض ایک خطہ نہیں بلکہ مسلمانوں کی دینی شناخت کا حصہ ہے۔ انہوں نے مسجدِ اقصیٰ کو "اسلام کا قبلۂ اول" قرار دے کر اس کی اہمیت واضح کی۔ ان نظموں میں برطانوی "ڈویژنل پلانز" (تقسیمی پالیسیوں) کو "مکرِ فرنگ" سے تعبیر کیا گیا ہے۔ امت کی بے حسی پر افسوس: * اقبال کو شدید دکھ ہے کہ ترکی کے زوال کے بعد مسلمان حکمران فلسطین کی طرف توجہ نہیں دے رہے۔ اقبال سمجھتے تھے کہ مسلمان مادی اور فکری لحاظ سے پسماندہ ہو چکے ہیں، جس کی وجہ سے وہ صیہونی طاقت کا مقابلہ نہیں کر پا رہے۔ اقبال کی نظمیں فلسطین کو صرف ایک جغرافیائی مسئلہ نہیں بلکہ امتِ مسلمہ کی اجتماعی روحانی اور سیاسی آزمائش کے طور پر پیش کرتی ہیں۔ آج بھی فلسطین کی صورتحال اقبال کی پیش گوئیوں کی عکاس ہے۔ صیہونی قبضہ جاری ہے۔ امت کی قیادت انتشار کا شکار ہے۔ مسلم ممالک کی پالیسیاں غیر متحد ہیں۔ اقبال کا پیغام یہ ہے کہ فلسطین کی آزادی صرف اس وقت ممکن ہے جب مسلمان اپنی حیثیت، عسکری طاقت اور روحانی عظمت کو بحال کریں۔

علامہ اقبال کی فلسطین پر نظمیں صرف ماضی کا مرثیہ نہیں، بلکہ مستقبل کے لیے ایک روڈ میپ ہیں۔ ان کا مطالعہ ہمیں یاد دلاتا ہے کہ فلسطین کا مسئلہ محض زمین کا نہیں، بلکہ امتِ مسلمہ کی بقا اور اس کے اقدار کا مسئلہ ہے۔ اقبال نے برطانوی استعمار اور صہیونی لابی کے گٹھ جوڑ کو بے نقاب کیا۔ وہ مسلمانوں کو یاد دلاتے ہیں کہ فلسطین جیسے مقدس مقامات کی حفاظت ان کا فرض ہے۔ اقبال نے اپنی نظم میں نہ صرف صہیونی تحریک کے خطرات کو واضح کیا، بلکہ مسلمانوں کو ان کے فرائض یاد دلانے کی کوشش بھی کی۔

"فلسطینی بچے کے نام" اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے، جس میں فلسطین کی جنگ زدہ سرزمین پر بچوں کی معصومیت اور ان کے استحصال کو موضوع بنایا گیا ہے۔ یہ نظم نہ صرف فلسطینی عوام کے درد کی ترجمانی کرتی ہے بلکہ عالمی سطح پر انسانی حقوق کی پامالی پر بھی سوال اٹھاتی ہے۔ فیض کی نظم فلسطینی بچوں کی جدوجہد کو مرکزی موضوع بناتی ہے۔ پتھر اور قلم کے استعارے کے ذریعے وہ مظلوم قوم کی بے بسی اور اہلِ قلم کی ذمہ داری کو اجاگر کرتے ہیں۔ "آنکھوں میں آگ" سے مراد فلسطینیوں کا جذبۂ مقاومت ہے جبکہ "نم آنکھیں" دنیا کی بے حسی کی علامت ہیں۔ فیض نے فلسطین کو صرف ایک جغرافیائی تنازعہ نہیں بلکہ انسانی وقار کی جنگ کے طور پر پیش کیا ہے۔ فیض کی یہ نظم ۱۹۷۰ کی دہائی میں لکھی گئی، جب فلسطین پر اسرائیلی قبضے کے خلاف مزاحمت عروج پر تھی۔ اس دور میں بچوں کی بے گناہ شہادتیں، گھروں کی تباہی، اور مہاجرت کا سلسلہ عالمی میڈیا کا حصہ بن چکا تھا۔ فیض، جو خود بھی جلاوطنی اور جبر کا شکار رہے، نے فلسطینی بچوں کے ذریعے پوری قوم کی ترجمانی کی۔ ان کی شاعری میں "مزاحمت" اور "امید" کا عنصر ہمیشہ موجود رہا، جیسے ان کی مشہور نظم "ہم دیکھیں گے" میں نظر آتا ہے۔ فیض نے نظم میں فلسطینی بچوں کو خطاب کرتے ہوئے ان کی بے چارگی اور حوصلے دونوں کو اجاگر کیا ہے۔ فیض نے فلسطینی بچوں کے مجبورانہ حالات کو بیان کیا ہے۔ "پتھر" مزاحمت کی علامت ہیں، جو بچوں کو جبراً اٹھانا پڑتے ہیں، جبکہ "قلم" دانشوروں کی بے عملی کی طرف اشارہ ہے۔ آنکھوں کی "آگ" غصے اور عزم کو ظاہر کرتی ہے، جبکہ "نم" آنکھیں دنیا کی بے حسی پر طنز ہیں۔

تمہارے قدموں تلے مٹی ہے ہمارے سینوں میں سوز
تمہاری راہوں میں اندھیرا، ہم نے چراغاں کر دیا(۳)

فیض کی شاعری میں تاریکی کے بعد اجالے کا یقین پایا جاتا ہے۔ یہاں "اندھیرا" موجودہ مصائب کو ظاہر کرتا ہے، جبکہ "چراغاں" عالمی برادری کی حمایت یا داخلی قوت کی علامت ہے۔ فیض نے فلسطین اور جنوبی ایشیا کے استعماری تجربات کو جوڑتے ہوئے ظلم کو ایک عالمی مسئلہ قرار دیا ہے۔ فیض نے اس نظم میں فلسطینی بچوں کو صرف "مظلوم" ہی نہیں بلکہ "مزاحمت کا استعارہ" بنا کر پیش کیا ہے۔ انہوں نے درج ذیل نکات پر زور دیا ہے۔ بچوں کے ہاتھوں میں پتھر دینا دراصل ان کی معصومیت کو جنگ کا ہتھیار بنانے کے مترادف ہے۔ فیض بچوں کو یہ باور کراتے ہیں کہ ان کی قربانیاں کسی "بڑے مقصد" کا حصہ ہیں۔ فلسطین کو صرف ایک علاقائی مسئلہ نہیں بلکہ عالمی سطح پر انسانی حقوق کی جنگ قرار دیا گیا ہے۔ فیض نے عام فہم زبان استعمال کر کے پیغام کو ہر طبقے تک پہنچایا ہے۔

فیض احمد فیض کی یہ نظم نہ صرف فلسطین بلکہ ہر اس خطے کے مظلوم بچوں کی آواز بن گئی ہے جہاں ظلم کی چکی چل رہی ہے۔ انہوں نے بچوں کی معصومیت کو انقلابی قوت میں بدلنے کا درس دیا ہے۔ آج بھی غزہ، کشمیر، یا روہنگیا کے بچوں کی صورتحال دیکھ کر یہ نظم اپنی معنویت کھونے کے بجائے اور زیادہ متعلق محسوس ہوتی ہے۔ فیض کا یہ پیغام ہے کہ ظلم کے خلاف آواز ہر دور میں اٹھتی رہے گی۔ حبیب جالب، پاکستان کے ایک معروف شاعر، نثر نگار اور سیاسی کارکن تھے، جن کی شاعری میں عوامی مسائل، انسانی حقوق، اور ترقی پسند نظریات کی عکاسی ہوتی ہے۔ ان کی نظموں میں فلسطین کے مسئلے کی تصویر کشی ایک اہم موضوع ہے، جہاں انہوں نے فلسطینی عوام کی جدوجہد اور حوصلے کو نمایاں کیا ہے۔ یہ مضمون حبیب جالب کی نظموں میں فلسطین کے مسئلے کے حوالے سے تفصیلی بحث کرے گا، ان کے اقتباسات پیش کرے گا، اور ان کی شاعری میں کشمیر کے مسئلے کو بھی شامل کرے گا۔

حبیب جالب کی کئی نظموں میں فلسطین کے مسئلے کی عکاسی ملتی ہے۔ ان کی شاعری میں فلسطینی عوام کے حوصلے، ان کی جدوجہد، اور قربانیوں کی تصویر کشی کی گئی ہے۔ ان کی نظم "فلسطین" خاص طور پر اس موضوع پر روشنی ڈالتی ہے۔ جالب نے

فلسطینیوں کی زندگی کے تلخ حقائق کو شعر میں ڈھالا ہے، جہاں وہ سیاسی جبر اور ظلم کی عکاسی کرتے ہیں۔ ان کے الفاظ میں سناٹا، بکھرے خواب، اور خالی آنکھیں، ایک گہری تشویش اور درد کی علامت ہیں، جو فلسطینی عوام کی زندگی کی حقیقی حالت کو بیان کرتے ہیں۔ حبیب جالب کی نظموں میں فلسطینی حوصلے کی تصویر کشی بھی ملتی ہے۔ انھوں نے فلسطینیوں کی جرات اور عزم کو سراہا ہے، جیسا کہ ان کی نظم "یزید سے ہیں نبرد آزما فلسطینی" میں:

یزید سے ہیں نبرد آزما　فلسطینی
اٹھائے ہاتھوں میں اپنے حسینیت کا علم
ادیبو' شاعرو' دانشورو' سخن دانو
کرو حکایت بیروت خونِ دل سے رقم
شکست جہل کو ہوگی شعور جیتے گا
کرے گا جہل کہاں تک سرِ شعور قلم(۴)

جالب نے فلسطین میں انسانی حقوق کی پامالی کی مذمت کی ہے اور مظلوموں کے حق میں آواز بلند کی ہے۔ ان کی شاعری میں فلسطینیوں کی جدوجہد کو اجاگر کیا گیا ہے، جو انسانی حقوق کے لیے ایک اجتماعی نعرہ بنتی ہے۔ حبیب جالب کی شاعری میں فلسطین کے مسائل کی عکاسی ایک اہم پہلو ہے۔ انہوں نے اپنے اشعار کے ذریعے ان مظلوم عوام کی آواز کو بلند کیا ہے، جو ظلم و ستم کا شکار ہیں۔ ان کی نظموں میں حوصلہ افزائی، قربانی، اور جدوجہد کی روح موجود ہے۔ جالب نے اپنی شاعری میں ان مسائل کو نہ صرف پیش کیا ہے بلکہ ان کی گہرائی میں جا کر ان کی وجوہات اور اثرات کو بھی بیان کیا ہے۔ ان کی نظموں میں نہ صرف فلسطینی عوام کی حالت زار کی عکاسی ہے بلکہ ان کے حوصلے، عزم اور جدوجہد کا بھی ذکر ہے۔ ان کی شاعری میں ایک گہرا سیاسی شعور پایا جاتا ہے جو کہ مظلوموں کے حق میں آواز بلند کرتا ہے۔ حبیب جالب کی شاعری ایک طاقتور ذریعہ ہے جس کے ذریعے انہوں نے فلسطین اکے مسائل کو اجاگر کیا ہے۔ ان کی نظموں میں حوصلے اور عزم کی تصویر کشی کی گئی ہے، جو ان مظلوم عوام کی جدوجہد کی علامت ہے۔ ان کی شاعری آج بھی انسانی حقوق اور عدل و انصاف کے لیے ایک طاقتور پیغام ہے۔ حبیب جالب کی شاعری نے نہ صرف انفرادی بلکہ اجتماعی جدوجہد کو بھی زندہ رکھا ہے، جو ہمیشہ یاد رکھی جائے گی۔

شہزاد احمد نے اپنی نظم میں یزید کی حکمرانی کو جدید دور کی استعماری قوتوں (جیسے اسرائیل) سے جوڑا گیا ہے۔ فلسطینی شہدا کی قربانیوں کو امام حسینؑ کے جاں نثاریوں کے ساتھ موازنہ کیا گیا ہے۔ شاعر کہتا ہے کہ حسینؑ کا سبق زندہ ہے اور مظلوم قومیں اس سے راہنمائی لے سکتی ہیں۔ شہزاد احمد نے استعارہ، تشبیہ اور تاریخی تلمیحات کا استعمال کرتے ہوئے فلسطین کو کربلا کے تناظر میں پیش کیا ہے۔ مثال کے طور پر "فرات کے پانی" کو فلسطینی بچوں کی پیاس سے جوڑنا یا "یزید کی فوج" کو جدید جنگی آلات سے تعبیر کرنا۔ شہزاد احمد کی نظم صرف مذہبی عقیدت تک محدود نہیں بلکہ یہ بین الاقوامی سطح پر استحصال کے خلاف ایک دستاویز ہے۔ "حسین کا سبق" درحقیقت ایک عالمی پیغام ہے جو فلسطین جیسے خطوں میں جاری جدوجہد کو نئے معنویت دیتا ہے۔ شہزاد احمد نے ثابت کیا ہے کہ کربلا کا واقعہ صرف تاریخ نہیں بلکہ ہر دور کے مظلوموں کے لیے مشعل راہ ہے۔

آگ کی سن کر خبر سینے ہمارے ہوئے شق
ہم کو تو مسجد اقصیٰ بھی ہے قرآں کا ورق

کاٹ دو قبلہ اول پہ جو ہاتھ اٹھے ہیں
ہے اگر دل میں تمھارے ایماں کی رمق
سر کٹا دینا جھکانے سے کہیں بہتر ہے
ہے ابھی یاد حسین ابن علی کا یہ سبق(۵)

ادا جعفری اردو ادب کی عظیم شاعرہ تھیں، جنہوں نے اپنی شاعری میں سماجی مسائل، انسانی المیوں اور عالمی تناظر میں جبر کے خلاف آواز بلند کی۔ ان کی نظم "مسجد اقصیٰ" فلسطین کے تاریخی اور مذہبی مسئلے کو انتہائی دردمندی کے ساتھ پیش کرتی ہے۔ یہ نظم نہ صرف مسلمانوں کے لیے مقدس مقامات کی بے حرمتی کا ماتم ہے بلکہ استعماری قوتوں کے خلاف ایک احتجاج بھی ہے۔ ادا جعفری نے نظم کے آغاز میں مسجد اقصیٰ کے تقدس اور اس کے گرد گھیراؤ کو اندھیرے کی علامت سے تعبیر کیا ہے۔ "اندھیرا" استعماری طاقتوں کی ظلمت اور فلسطینی عوام پر مسلط کیا گیا غیر انسانی سلوک ہے۔ "چراغوں کا لرزنا" امید کی کرنوں کا مٹتا ہوا وجود ہے، جو ظلم کی چکی میں پستا جا رہا ہے۔ فلسطینی عوام کی جدوجہد اور ہجرت کی تکلیف دہ داستان ہیں، جنہیں صیہونی قوتوں نے راستوں میں لوٹ لیا۔ "عزمِ سفر کا لوٹنا" ظلم کی انتہا ہے، جہاں نہ صرف مال و جان بلکہ انسان کی آزادی اور ارادوں کو بھی غصب کر لیا گیا۔ مسجد اقصیٰ کو مرکز بنا کر ادا جعفری نے ۱۹۶۷ء کی جنگِ سہ روزہ (جس میں مشرقی یروشلم اسرائیل کے قبضے میں چلا گیا) کے بعد کے حالات کی عکاسی کی ہے۔ یہ نظم فلسطینیوں کی بے دخلی، غزہ اور ویسٹ بینک میں انسانی حقوق کی پامالی اور مقدس مقامات کی بے حرمتی پر طنز ہے۔ مسجد اقصیٰ مسلمانوں کا قبلۂ اول ہے، جس کی حرمت کا تحفظ اسلامی شناخت کا حصہ ہے۔ ادا جعفری نے اسے فلسطین کی زمینی جدوجہد سے جوڑ کر عالمی برادری کی خاموشی کو للکارا ہے۔ نظم کا ہر مصرع ظلم کے خلاف انسانی آواز ہے۔ "لوٹنے والے" صرف اسرائیلی فوج ہی نہیں بلکہ وہ عالمی طاقتیں ہیں جو فلسطین کی تقسیم اور قبضے کی سازشوں میں ملوث رہی ہیں۔ اندھیرا، چراغ اور قافلے جیسے الفاظ نے نظم کو مجسم تصویر بنا دیا ہے۔ عزمِ سفر بھی لوٹا میں استعماری طاقتوں کی بے رحمی کو طنزیہ انداز میں پیش کیا گیا ہے۔ ادا جعفری کا اسلوب سادہ مگر پر اثر ہے، جو قاری کے دل تک رسائی کرتا ہے۔ ادا جعفری کی یہ نظم فلسطین کے مسئلے کو محض ایک علاقائی تنازعہ نہیں بلکہ انسانی ضمیر کا مسئلہ قرار دیتی ہے۔ مسجد اقصیٰ کی علامت کے ذریعے وہ امتِ مسلمہ کو جہادِ نفس اور عملی جدوجہد کی ترغیب دیتی ہیں۔ آج بھی جب فلسطین کی زمین پر خون کی ہولی کھیلی جا رہی ہے، یہ نظم اپنی معنویت کھو دی نہیں بیٹھی۔ اس کے اشعار ہمیں یاد دلاتے ہیں کہ اندھیرا چاہے کتنا ہی گہرا ہو، چراغِ امید کو زندہ رکھنا ہماری ذمہ داری ہے۔ ادا جعفری نے فلسطین کے حوالے سے جو نظم تحریر کی ہے اس میں مسجد اقصیٰ کے حوالے سے جذبات و احساسات بیان کیے ہیں:

ایسا اندھیرا تو پہلے نہ ہوا تھا لوگو
لو چراغوں کی تو ہم نے بھی لرزتے دیکھی
قافلے لٹتے ہی رہتے ہیں گزرگاہوں میں
لوٹنے والوں نے کیا عزمِ سفر بھی لوٹا؟
محترم ہے مجھے اس خاک کا ذرہ ذرہ
ہے یہاں سرورِ کونین کے سجدے کا نشاں
اس ہوا میں مرے آقا کے نفس کی خوشبو

اس حرم میں مرے مولا کی سواری ٹھہری(۶)

احمد فراز اُردو شاعری کے عہدِ حاضر کے ممتاز شاعر ہیں جن کی شاعری میں انسانی المیے، سماجی ناانصافیوں اور سیاسی جبر کے خلاف احتجاج کی گہری چھاپ ہے۔ فلسطین کا مسئلہ، جو عالمی سطح پر استعماری قوتوں کے مظالم کی علامت بنا ہوا ہے، احمد فراز کی نظموں میں خاص طور پر نمایاں ہے۔ وہ فلسطینی عوام کی جدوجہد، ان کے استقامت اور قربانیوں کو اپنے منفرد انداز میں پیش کرتے ہیں۔ فلسطین کا مسئلہ بیسویں صدی کے وسط سے ہی عالمی سیاست کا اہم ترین مسئلہ رہا ہے۔ ۱۹۴۸ء میں اسرائیل کے قیام کے بعد سے فلسطینی عوام بے وطنی، جبر اور تشدد کا شکار ہیں۔ احمد فراز کی شاعری میں یہ مسئلہ ایک انسانی المیے کے طور پر ابھرتا ہے جہاں وہ نہ صرف مظلوم فلسطینیوں کی آواز بنتے ہیں بلکہ عالمی برادری کی خاموشی پر بھی سوال اٹھاتے ہیں۔

یہ جو بچے ہیں فلسطین کے
ان کے ہاتھوں میں پتھر ہیں
ان کی آنکھوں میں خواب ہیں
ان کے لب پہ نعرے ہیں
اور دل میں اک سوال ہے
کیوں ہم پر ظلم ہوتا ہے؟ (۷)

اس نظم میں فراز فلسطینی بچوں کی معصومیت اور ان کے جذبات کو مرکزی حیثیت دیتے ہیں۔ "پتھر" علامت ہے مزاحمت کی، جو بظاہر کمزور ہتھیار لگتا ہے مگر اس میں عزم کی طاقت پوشیدہ ہے۔ "آنکھوں میں خواب" سے مراد آزادی کی تمنا ہے، جبکہ "دل میں سوال" عالمی انصاف کی عدم موجودیت کو نشان زد کرتا ہے۔ فراز کی شاعری میں بچوں کا استعارہ مستقبل کی امید اور موجودہ ظلم کی شدت دونوں کو اجاگر کرتا ہے۔

یہ زمین جس کے سینے پہ خوں کے دھبے ہیں
یہاں ہر پتھر اک داستانِ غم سناتا ہے
یہاں ہر ذرہ مٹی میں شہیدوں کا لہو ہے
یہاں آزادی کے نعرے ہوا میں گونجتے ہیں(۸)

اس نظم میں فراز نے فلسطین کی زمین کو ایک زندہ وجود کے طور پر پیش کیا ہے۔ "خوں کے دھبے" اور "شہیدوں کا لہو" تاریخی ظلم کی یاد دلاتے ہیں، جبکہ "آزادی کے نعرے" مستقبل کی امید کی علامت ہیں۔ فراز کا اندازِ بیان انتہائی تصویری ہے جس میں زمین خود بولتی محسوس ہوتی ہے۔ یہاں وہ فلسطین کو صرف ایک جغرافیائی خطے سے بڑھ کر ایک "مقدس علامت" کے طور پر پیش کرتے ہیں۔ فراز یہاں ظلم کی شدت کو فنکارانہ انداز میں بیان کرتے ہیں، جس سے قاری کے جذبات بھی مشتعل ہوتے ہیں۔ فراز کی نظموں میں فلسطینی عوام کے ساتھ گہری ہمدردی جھلکتی ہے۔ وہ انہیں صرف مظلوم نہیں بلکہ "مقاومت کے ہیرو" کے طور پر پیش کرتے ہیں۔ وہ فلسطین کے مسئلے کو صرف عرب دنیا تک محدود نہیں رکھتے بلکہ اسے عالمی سطح پر انسانی مسئلہ قرار دیتے ہیں۔ فراز کی شاعری میں مایوسی نہیں بلکہ جدوجہد اور امید کا پیغام پایا جاتا ہے۔ احمد فراز نے فلسطین کے موضوع کو دیگر ترقی پسند شاعروں جیسے فیض احمد فیض سے الگ انداز میں پیش کیا۔ فیض کی شاعری میں فلسطین کا ذکر زیادہ تر علامتی ہے، جبکہ فراز براہِ راست واقعات اور جذبات کو

بیان کرتے ہیں۔ مثال کے طور پر فیض کی نظم * "فلسطینی بچے کے نام" * میں استعاراتی زبان غالب ہے، جبکہ فراز کی نظمیں زیادہ عوامی اور براہِ راست ہیں۔ احمد فراز کی نظمیں فلسطین کے مسئلے کو نہ صرف ایک قومی مسئلے بلکہ انسانی حقوق کی عالمی جنگ کے طور پر پیش کرتی ہیں۔ ان کی شاعری میں فلسطینی عوام کی دردناک داستان، ان کی بہادری اور ظلم کے خلاف آواز اٹھانے کا عزم جھلکتا ہے۔ فراز کی نظمیں صرف ادب ہی نہیں بلکہ ایک تحریک ہیں جو آج بھی فلسطین کی آزادی کی جدوجہد کو تقویت دیتی ہیں۔

کشور ناہید جدید اردو شاعری کی ایک ممتاز اور جری آواز ہیں، جن کی تخلیقات میں سماجی انصاف، نسائی تشخص اور عالمی سطح پر مظلوم اقوام کے مسائل نمایاں ہوتے ہیں۔ ان کی نظم * "وہ فلسطین کا بچہ" * فلسطینی عوام کی جدوجہد، بچوں کی معصومیت کے استحصال، اور استعماری قوتوں کے خلاف مزاحمت کو فنکارانہ انداز میں پیش کرتی ہے۔ اس نظم کا بنیادی مقصد فلسطین کے تاریخی اور سیاسی تناظر کو انسانی المیے کی سطح پر اجاگر کرنا ہے۔

کشور ناہید کی نظم "وہ فلسطین کا بچہ" ان کے شعری مجموعہ "لب گویا" میں شامل ہے۔ فلسطین کا مسئلہ ۱۹۴۸ء میں اسرائیل کے قیام کے بعد سے بین الاقوامی سطح پر ایک نازک اور خون ریز تنازعہ بنا ہوا ہے۔ ناہید نے اس نظم میں فلسطینی بچوں کی معصومیت کو مرکزی خیال بناتے ہوئے استعمار، جنگ، اور انسانیت سوز سیاست کے تاریک پہلوؤں کو بے نقاب کیا ہے۔

وہ سمجھتا ہے کہ اس کے گھر کی اینٹیں
اب تک زندہ ہیں ملبے کے نیچے　　(۹)

یہاں گھر کی اینٹوں کو زندہ تصور کرنا فلسطینی عوام کی زمین سے جذباتی وابستگی اور شناخت کے تحفظ کی جدوجہد کو ظاہر کرتا ہے۔

اس کی ماں کی چادر پر ستارے سلے ہیں
جو اسے رات کو ڈرنے نہیں دیتے　　(۱۰)

ستارے "امید اور روشنی کی علامت ہیں۔ ماں کی چادر فلسطینی خواتین کی قربانی اور اولاد کو تحفظ دینے کی کوششوں کی طرف اشارہ ہے۔ کشور ناہید نے فلسطین کے مسئلے کو صرف سیاسی بیانیے تک محدود نہیں رکھا، بلکہ اسے انسانی المیے کی سطح پر پیش کیا ہے ان کی شاعری میں مظلوم کی آواز سنائی دیتی ہے۔ ناہید کی نظم 'وہ فلسطین کا بچہ' استعاروں کے ذریعے استعماری طاقتوں کی وحشیانہ پالیسیوں کو بے نقاب کرتی ہے۔ بچے کا کردار معصومیت کے ساتھ ساتھ مزاحمت کی علامت بن جاتا ہے۔ کشور ناہید نے "وہ فلسطین کا بچہ" میں فلسطینی عوام کی جدوجہد کو انفرادی المیے کے ذریعے پیش کیا ہے، جس سے مسئلے کی انسانی تفہیم ممکن ہوتی ہے۔ نظم میں استعمال ہونے والے استعارے (پتھر، سمندر، ستارے) ظلم کے خلاف امید اور مزاحمت کو فنکارانہ انداز میں اجاگر کرتے ہیں۔ یہ نظم نہ صرف فلسطین بلکہ دنیا بھر کے مظلوم طبقوں کی نمائندہ بن کر عالمی ادب میں اپنی منفرد شناخت رکھتی ہے۔ کشور ناہید کا یہ کام ثابت کرتا ہے کہ ادب سماجی تبدیلی کا ایک طاقتور ذریعہ ہو سکتا ہے۔

پاکستانی اردو شاعروں نے فلسطین کے مسئلے کو مختلف انداز میں دیکھا ہے، لیکن بیشتر کا نقطۂ نظر ہمدردی، مزاحمت اور انسانی حقوق کی بحالی پر مرکوز رہا ہے۔ ان کی نظموں میں فلسطین صرف ایک خطہ نہیں بلکہ مظلومیت، استقامت اور عالمی ناانصافی کی علامت بن کر ابھرتا ہے۔ شاعروں نے استعاروں، علامتوں اور سیدھے لفظوں کے ذریعے صیہونی مظالم، عالمی خاموشی اور فلسطینی عوام کے جذبۂ مقاومت کو اجاگر کیا ہے۔ فیض اور جالب جیسے شاعروں نے سیاسی شعور کو جذبۂ انسانی سے ہم آہنگ کیا، جبکہ فراز اور کشور ناہید

جیسے شاعروں نے فرد کے جذباتی سفر کو مرکز بنایا۔ مجموعی طور پر یہ شاعری نہ صرف فلسطین کے لیے ہمدردی کا اظہار ہے بلکہ پاکستانی معاشرے میں اس مسئلے کے تئیں بیداری پیدا کرنے کا ذریعہ بھی ہے۔

حوالہ جات

۱۔ اقبال، کلیات اقبال (اُردو)، لاہور، اقبال اکادمی پاکستان، ۱۹۹۲، ص:۱۲۶

۲۔ ایضاً، ص:۱۳۲

۳۔ فیض احمد فیض، نسخہ ہائے وفا، لاہور، مکتبہ کارواں، ۲۰۰۰، ص:۱۳۴

۴۔ حبیب جالب، کلیات حبیب جالب، جہلم، بک کارنر، ۲۰۱۲، ص:۹۵

۵۔ شہزاد احمد، دیوار پہ دستک، لاہور، سنگ میل پبلی کیشنز، ۱۹۹۱ء، ص:۸۶

۶۔ جعفری، ادا، حرفِ شوق، لاہور، سنگِ میل پبلی کیشنز، ۱۹۸۰ء، ص:۴۵

۷۔ فراز، احمد، نابینا شہر میں آرزوؤں کے سپنے، لاہور، سنگِ میل پبلی کیشنز، ۱۹۸۰ء ص:۵۶

۸۔ ایضا، محاصرہ، ایضا، ۱۹۸۵، ص:۶۷

۹۔ کشور ناہید، لب گویا، لاہور، سنگ میل پبلی کیشنز، ۱۹۶۸، ص:۷۳

۱۰۔ ایضا، ص:۷۴

References in Roman Script:

1. Iqbal, Muhammad. Kulliyat-e-Iqbal (Urdu). Lahore: Iqbal Academy Pakistan, 1992, p. 126
2. Ibid, P. 132
3. Faiz, Ahmad Faiz. Nuskha Ha-e-Wafa. Lahore: Maktaba-e-Karwan, 2000, p. 134
4. Jalib, Habib. Kulliyat-e-Habib Jalib. Jhelum: Book Corner, 2012, p. 95
5. Ahmad, Shehzad. Deewar Pe Dastak. Lahore: Sang-e-Meel Publications, 1991, p. 86
6. Jafri, Ada. Harf-e-Shauq. Lahore: Sang-e-Meel Publications, 1980 AD, p. 45.
7. Faraz, Ahmad. Nabeena Shehar Mein Arzooon Ke Sapne. Lahore: Sang-e-Meel Publications, 1980 AD, p. 56
8. Ibid. Muhasara. Ibid., 1985 AD, p. 67
9. Naheed, Kishwar. Lab-e-Goya. Lahore: Sang-e-Meel Publications, 1968 AD, p. 73
10. Ibid., p. 74